ہالینڈ میں مذہب اور قانون

تحریر: صوفی وین بجسٹر ویلڈ

(Sophie Van Bijsterveld)

تیص

مذہب موجودہ دور میں بھی ایک مؤثر قوت کے طور پر موجود ہے حالانکہ لادین نظریات رکھنے والوں کی پیش گوئی یہ تھی کہ مذہب رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گا۔ مہاجرت یا نقل مکانی کی وجہ سے یہ توقع یورپ میں بھی بمشکل ہی پوری ہوتی نظر آئی اگرچہ وہاں لادینیت کی جڑیں بہت گہری ہیں لیکن مسلمانوں اور دوسرے مذہبی گروہوں کی موجودگی کی وجہ سے اس کے سامنے بہت سارے چیلنجز بھی موجود ہیں۔ اِس مضمون میں ہالینڈ میں ریاست اور مذہب کے تعلق اور اس ملک میں موجود مسلمانوں پر اس کے اثرات سے متعلق بحث کی گئی ہے۔

تاریخی پس منظر

ہالینڈ میں چرچ اور ریاست کے تعلقات پر مبنی ڈھانچے میں آخری واضح تبدیلی ۱۷۹۶ء میں دیکھی گئی تھی۔ یہی برس تھا جب ''چرچ اور ریاست میں علیحدگی'' کا پہلی مرتبہ اعلان کیا گیا تھا چرچ اور ریاست کی علیحدگی کا اعلان، جو کہ ایک بالکل ہی منفرد اقدام تھا، دراصل جمہوریہ متحدہ ہالینڈ کے تحت

نافذ اس نظام (۱۵۷۹-۱۷۹۵) کے خلاف ردعمل تھا جس کے تحت اصلاح شدہ یا مراعات یافتہ ولندیزی (Dutch) کلیسا قائم کیا گیا تھا۔ اس وقت، یہ امر بدیہی تھا کہ جمہوریہ اور اس کا چرچ و ریاستی نظام دونوں ہی اپنی میعاد پوری کر چکے تھے۔ اس کے بعد شروع ہونے والا دور (۱۷۹۶-۱۸۱۳) سیاسی و آئینی لحاظ سے بحران کا دور تھا، نپولین بونا پارٹ کے بھائی، لوئس نپولین (Louis Napoleon) کی بادشاہت (۱۸۱۰-۱۸۱۳) رہنے کے بعد ۱۸۱۴ء میں ایک نئے آغاز کی بنیا رکھی گئی۔ اس برس سلطنت ہالینڈ کا قیام عمل میں لایا گیا جو غیر مرکزی واحدانہ ریاست (Decentralized Unitary State) تھی اور جس میں ۱۸۱۵ء سے ۱۸۳۰ء تک بیلجیئم کے کچھ علاقے بھی شامل تھے۔

موجودہ ریاست اور اس کا آئین ۱۸۱۴ء کے وقت سے بتدریج پروان چڑھا ہے۔ انیسیں صدی کے دوران میں آئینی نظام ایک مکمل پارلیمانی نظام کی صورت اختیار کر گیا جس کے تحت قانی ضوابط کے نظام کی فعالیت کی پختگی پر مبنی فہم کی بنیاد پر اٹھارہ برس اور اس سے اوپر کی عمر کے ہر شہری کو رائے دہی کا عالمگیر حق حاصل ہو گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ کلیسا اور ریاست کے مابین تعلقات کام بھی فروغ پا گیا۔ ''کلیسا اور ریاست کی علیحدگی'' کا اعلان اور اس کی قبولیت ایک اہم واقعہ تھا۔ تام آغاز میں یہ امر قطعی واضح نہیں تھا کہ قانون کے تمام متعلقہ شعبوں کے لیے اس کا عملی مفہوم کیا ہ چاہیے۔ علاوہ ازیں سماجی، مذہبی اور آبادی کے اعداد و شمار پر مبنی حقائق میں راتوں رات کوئی تبدی نہیں آئی۔ مذہب معاشرتی سرگرمیوں اور معاشرتی اداروں کے اہم جزو کے طور پر اپنا رنگ جما تار اور قانون کی نظر میں بھی اس کی مسلسل اہمیت کو ایک شرف حاصل رہا۔

انیسویں صدی کے آغاز میں ریاست کو کلیسا کے معاملات میں خاطر خواہ اہمیت حاصل تھی۔ ۱۸۴۸ء میں آئینی نظرِ ثانی کے نتیجے میں مذہب کی بطور ادارہ آزادی کو تسلیم کیا گیا، جس کا نتیجہ کلیسا کی ریاست کے مقابلے میں زیادہ خودمختاری کی صورت میں برآمد ہوا۔ مثلاً اگلے عشروں میں بادشاہ کی

جانب سے اصلاح شدہ ولندیزی کلیسا، لوتھری کلیسا(Lutheran Church) اور یہودی طبقے کے لیے طے کردہ ضوابط اور داخلی انتظام غیر متعلق ہو گئے۔ مذہب کی ایک ادارے کے طور پر مکمل آزادی کو تسلیم کرنے کی بدولت ۱۸۵۳ میں ہالینڈ میں رومن کیتھولک اسقفی (bishopric) درجہ بندی کی بحالی ممکن ہو گئی۔ دوسری انتہائی اہم پیش رفت اسکول کے دوہرے نظام سے متعلق معاہدہ تھا جس میں سرکاری اور نجی دونوں اسکولوں کو ریاست کی طرف سے برابری کی بنیاد پر وسائل فراہم کئے گئے۔ اس معاہدے کو ۱۹۱۷ میں آئینی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔

موجودہ وقت تک بھی کلیسا اور ریاست کی علیحدگی کے اصول کی آئین یا کسی اور قانونی دستاویز میں واضح طور پر کوئی خاکہ کشی یا تفصیل نہیں دی گئی۔ کلیسا کے ولندیزی ماڈل اور ریاست کے ساتھ اس کے تعلقات کے علاوہ اس شعبے میں موجودہ تحریکات و مباحث کے فہم کے حوالے سے یہ نکتہ ذہن نشین کرنا فائدہ مند رہے گا۔

مذہبی عقیدے کے لحاظ سے ہالینڈ ہمیشہ ایک تنوع کا حامل (Pluralistic) معاشرہ رہا ہے۔ عیسائیت اگرچہ غلبہ رکھتی ہے مگر عیسائیت کے اندر بھی فرقوں کی وسیع تر نمائندگی موجود ہے۔ حتیٰ کہ جمہوریہ یا ری پبلک کے زمانے میں بھی مختلف اقسام کے پروٹسٹنٹ چرچ موجود تھے اور انیسویں صدی کے آغاز سے لے کر بعد کے زمانے تک بہت سی علیحدگیاں عمل میں آئیں اور یہ عمل موجودہ دور تک بھی جاری ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے پرانے یہودی مذہبی طبقات بھی پائے جاتے ہیں۔

ہالینڈ میں کلیسا کی رکنیت میں آخری چند عشروں کے دوران بہت کمی واقع ہوئی ہے۔ ۲۰۱۴ء میں ہالینڈ کی کل آبادی مرکزی شماریاتی ادارہ (Central Bureau of Statistics) کے اعداد و شمار کے مطابق ایک کروڑ انہتر لاکھ (۶۹ء ۱۶ ملین) تھی۔ ۱ ریسرچ انسٹیٹیوٹ KASKI کے فراہم کردہ اعداد و شمار کے مطابق ہالینڈ میں رومن کیتھولک عقیدہ رکھنے والوں کی تعداد آبادی کا ۱ء۲۴ فیصد تھی۔

گزشتہ چند دہائیوں کے دوران ہندو اور مسلمان آبادی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ایک تخمینے کے مطابق اس وقت ہالینڈ میں دس لاکھ مسلمان موجود ہیں۔چونکہ مذہبی عقائد کے پیروکاروں کے رسمی اندراج کا ابھی تک کوئی قانون نہیں بنا اور مختلف مذہبی فرقوں کی طرف سے ہم عقیدہ افراد کے تعین کا معیار بھی چونکہ مختلف ہے اس لیے تعداد کا ہمیشہ صرف تخمینہ ہی ہوتا ہے۔عمومی لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ولندیزی قانون اقلیتوں کی مذہبی ضروریات کے حوالے سے روایتی طور پر حساس رہا ہے۔

ہالینڈ نہ صرف ایک متنوع عقائد کی پرامن بقائے باہمی کا عکاس ملک ہے بلکہ یہ ایک لادینی معاشرہ بھی ہے۔انیسویں صدی کے اختتام تک لادینیت کی پہلی لہر اپنا غلبہ جما چکی تھی۔اس وقت مذہبی معاملات، اور کلیسا و ریاست کے روابط کے حوالے سے معاملات عوامی دائرے میں مرکزی حیثیت کے ساتھ پھر سے سر اٹھا رہے ہیں۔

ہالینڈ میں مذہب،ثقافت اور معاشرہ

ہالینڈ میں مذہب،ثقافت اور سماج کا روایتی طور پر لوگوں کی انفرادی زندگیوں اور ایک وسیع تر ولندیزی معاشرے میں اہم کردار رہا ہے۔ولندیزی ثقافت میں عملیت پسندی (Pragmatism) کا عنصر بھی نمایاں نظر آتا ہے۔یہ ایک طرح سے متضاد بات لگتی ہے مگر انتہائی تنوع پسند معاشروں میں عملیت پسندی کا کسی حد تک موجود ہونا ضروری ہوتا ہے تاکہ روزمرہ زندگی رواں دواں رہے۔

ہالینڈ میں بہت سی عیسائی اور یہودی اقلیتوں کی موجودگی کلیسا اور ریاست کے تعلقات پر خصوصاً اور مذہب کے حوالے سے ولندیزی قوانین پر عموماً نمایاں اثرات کی حامل ہے۔عام فہم لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ولندیزی معاشرہ ایک آزادانہ اور رواداری کی اقدار کا عکاس معاشرہ ہے جہاں تبدیل ہوتے ہوئے رجحان کے لیے وسیع گنجائش پائی جاتی ہے۔

اس معاشرے کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ معاشرہ فرقوں کی طرز پر منظّم ہے۔روایتی طور پر ہالینڈ میں کلیسا یا اس سے منسلک اداروں کا کردار اہم رہا ہے اور یہ سماجی و ثقافتی دائروں میں اپنا کردار

متحرک طریقے سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ انیسویں صدی کے وقت سے، اور زیادہ نمایاں طور پر بیسویں صدی میں، ان شعبوں کے اندر ریاست کے پھیلاؤ کے ساتھ ہی ایسی پیش قدمیوں کی حوصلہ افزائی کے لیے اداروں نے اپنا کردار ادا کرنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ ایک ایسے نظام کی صورت میں برآمد ہوا جہاں ایک طرف ان شعبوں میں ریاستی سہولتیں فراہم کی گئیں جو مذہب اور عقیدے کے حوالے سے غیر جانبدار تھے اور دوسری طرف فرقوں کو بھی متعلقہ سہولیات حاصل تھیں۔ معیار کی شرائط اور مالیاتی سہولت کا نظام دونوں کے لیے عموماً یکساں ہی ہے۔

اس معاشرے کی ایک تیسری خصوصیت یہ ہے کہ سیاسی سرگرمیاں، چاہے جزوی طور پر ہی، عقیدے یا فرقے کے حوالے سے منظم کی جاتی ہیں۔ سب سے بڑی فرقہ وارانہ جماعت کرسچن ڈیموکریٹک پارٹی ہے۔ چند ایک چھوٹی سطح کی فرقہ وارانہ جماعتیں بھی موجود ہیں۔ انتخابی قوانین متناسب نمائندگی کے نمونے کے حامل ہیں، جس کا مطلب ہے کہ پارلیمان متنوع سیاسی آراء کی عکاس ہے۔ پارلیمان میں چونکہ سیاسی جماعتوں کی وسیع نمائندگی ہوتی ہے اس لیے بڑی جماعتیں ہمیشہ اتحادوں کی تشکیل کی ضرورت محسوس کرتی ہیں۔

ریاست-مذہب روابط کا ڈچ نمونہ

آئین

ریاست اور مذہب کے درمیان موجودہ تعلقات کی بنیاد ملک کا آئین ہے۔ ۱۹۸۳ء میں آئین پر ایک عمومی نوعیت کی نظر ثانی کی گئی۔ اس نظرِ ثانی کے تحت بنیادی حقوق پر پہلے سے منظور شدہ قانون (chapter) کی از سرِ نو تشکیل اور تجدید کا کام بھی کیا گیا۔

آئین کلیسا اور ریاست کے تعلقات کی شکل یا ساخت کے حوالے سے کوئی واضح بیان نہیں دیتا۔ کلیسا اور ریاست کی علیحدگی کے اصول کو آئین میں خاص طور پر مذہب اور عقیدے کی آزادی کی

ضمانت (دفعہ ۶) اور مساویانہ سلوک وعدم امتیاز کے حوالے سے قانونی شق (دفعہ ایک) کی وساطت سے، مضبوط تصور کیا جاتا ہے۔ دفعہ ۲۳ بھی خاص اہمیت کی حامل ہے جو تعلیم کی آزادی کی ضمانت دینے کے ساتھ ہی سرکاری وسائل سے چلنے والے ان ابتدائی نجی اسکولوں کا نظام بھی متعارف کراتی ہے، جن کی اکثریت فرقہ وارانہ ہے اور جو سرکاری اسکولوں کے ساتھ ایک اور دستیاب سہولت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس نظام کو فرقے / عقیدے پر مبنی ثانوی اسکولوں کے علاوہ یونیورسٹیوں اور پیشہ وارانہ اسکولوں کے حوالے سے ایک عام قانون کی بدولت توسیع دی گئی ہے۔ بلاشبہ کلیسا وریاست کے باہم روابط کے تناظر میں اور اس سے آگے بڑھ کر بھی دوسرے بنیادی حقوق بھی اہم ہیں، جیسے آزادئ اظہار، آزادئ صحافت، اجتماع اور انجمن سازی کی آزادی۔

آئین میں کلیسا کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ مذہب کی آزادی کے اجتماعی پہلو کا کوئی حوالہ نہیں دیتا۔ آئین کی دفعہ ۶ کے تحت مذہب یا عقیدے کی آزادی کا ''انفرادی طور پر یا دوسروں کے ساتھ مل کر'' ذکر کیا گیا ہے۔ تاہم، آئین پر نظرثانی کے عمل کے دوران میں اس امر کو تسلیم کیا گیا کہ دفعہ کے تحت اداروں کو بھی تحفظ عطا کیا گیا ہے۔ لہٰذا چرچ بھی مذہبی آزادی رکھتے ہیں۔ مذہبی آزادی دُوررَس اثرات کی حامل ہے۔ یہ نہ صرف مذہبی نقطہ نظر رکھنے کا حق عطا کرتی ہے بلکہ اس کے مطابق عمل کرنے کی آزادی کی بھی ضامن ہے۔

آئینی نظام کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ قوانین کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی اور یہ مقدس حیثیت رکھتے ہیں۔ عدالتوں کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ پارلیمانی ضوابط پر ان کے آئینی جواز یا حیثیت کے حوالے سے کوئی نظرثانی کر سکیں۔ ۲

چنانچہ ہالینڈ میں چرچ اور ریاست کی علیحدگی کا درست مفہوم یہ ہے کہ آئین کے ساتھ ہی ثانوی قوانین کی تشکیل اور ارتقائی عمل کا بغور جائزہ لیا جائے۔

کلیسا اور ریاست کی علیحدگی

کلیسا اور ریاست کی علیحدگی کا وہ نظام جو ہالینڈ میں رائج ہے، فرانس کے غیر مذہبی نظام (Laicite) اور امریکہ کی ''دیوار جدائی'' (Wall of seperation) سے مختلف ہے۔ ہالینڈ کا نظام قانون کے شعبے اور عوامی سرگرمیوں کے دائرے میں مذہب کی موجودگی کے حوالے سے نہایت فراخدلانہ ہے۔

کلیسا اور ریاست کی علیحدگی کے ولندیزی نظام کا مطلب یہ ہے کہ کلیسا اور ریاست ایک دوسرے سے آئینی طور پر آزاد ہیں۔ نظریاتی تنازعات میں ریاست کسی فریق کا کردار ادا نہیں کرتی اور یوں اسے مذہبی ضوابط کے تعین کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ دوسری طرف سرکاری حکام بعض تنظیموں کو محض اس بنا پر مراعات (Subsidies) وصول کرنے سے نہیں روک سکتے کہ وہ عقیدے کی بنیاد پر قائم کی گئی ہیں۔[۳] مذہبی معاملات کے انتظامی امور کے حوالے سے کوئی ایک بھی دفتر، وزارت، یا نظامت کام نہیں کر رہی۔

فطری طور پر ریاست اور کلیسائی عبادت گاہوں کے درمیان روابط موجود بھی رہتے ہیں۔ کلیسا اور ریاست کے مابین تعلقات کے قانونی پہلوؤں کے حوالے سے عیسائی عبادت گاہوں اور یہودی عبادت گاہوں نے ۷۰ برس قبل ایک مشترکہ مرکز رابطہ (Interface) قائم کرلیا ہے[۴] جو اس وقت مختلف عقائد سے تعلق رکھنے والوں کی ۳۰ سے زائد کلیسائی عبادت گاہوں، بشمول (کٹر روایتی Orthodox) اور تین ڈچ یہودی فرقوں کی عبادت گاہوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ اسے کسی سرکاری ادارے سے مالیاتی وسائل نہیں ملتے، بلکہ یہ صرف اور صرف کلیسائی عبادت گاہوں کا اقدام ہے اور صرف ان نمائندوں پر مشتمل ہے جنہیں ان کی متعلقہ عبادت گاہیں نامزد کرتی ہیں۔ یہ تنظیم اپنے رکن اداروں کی مشترکہ دلچسپی کے حامل قانونی معاملات کے حوالے سے تبادلہ خیال کرتی ہے، اور پھر مشترکہ لائحہ عمل یا موقف اختیار کرتی اور بعد ازاں جب ضرورت پڑے تو حکومت اور پارلیمان سے

گفت وشنید کرتی ہے۔سی آئی اوکوکسی طرح کا رسمی انتظامی اختیار حاصل نہیں ہے اور کلیسائی ادارے اپنے طور پر، بلاشبہ، جب چاہیں حکومت سے بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

مسلمانوں کو ہالینڈ میں تنظیم سازی کے حوالے سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔خاص طور پر ۱۹۷۰ کی دہائی سے نقل مکانی کر کے آنے والے مسلمانوں کی وسیع تر تنظیموں کے ارکان کو ولندیزی سماج سے آگاہی حاصل کرنے میں وقت لگا ہے۔مزید برآں ہوسکتا ہے کہ انہوں نے خود تنظیم کو اس غیر یقینی صورتحال کے سبب کہ آیا وہ ہالینڈ میں مستقل رہیں گے یا نہیں ضروری تصور نہ کیا ہو۔مزید یہ کہ بذات خود مسلمانوں کے درمیان قومی پس منظر اور مذہب کے حوالے سے تفریقات نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ فی الحال اس میدان میں چند ایک تنظیموں نے پیش قدمی کی ہے جن میں سی ایم او (Contactorgaan Moslims en overheid) اور سی جی آئی (Contactgroep Islam) نمایاں ہیں۔

کلیسا کی قانونی حیثیت

ایک قانونی وحدت یا ادارے کے طور پر کلیسا ایک ایسے زمرے میں آتا ہے جو دیگر قانونی ساختوں اور وحدتوں، مثلاً انجمن یا قائم کردہ اداروں (foundations)، سے مختلف ہوتا ہے۔ دیوانی ضابطے کے تحت سادہ لفظوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ''کلیسا، کلیسا کے حصوں اور وہ تنظیمی ساخت جس کے اندر یہ متحد ہوں ان کی قانونی حیثیت ہوگی''۔اس ضابطے کی مشمول زبان بہت سی تنظیموں کے لیے قانونی اہمیت کا حامل ہونے کی گنجائش فراہم کرتی ہے۔

ضابطہٴ دیوانی کے علاوہ، کلیسا کی خصوصی حیثیت یا مقام کو قانون سازی کی دیگر شکلوں یا سرگرمیوں میں بھی مدنظر رکھتا جاتا ہے۔مثال کے طور پر عمومی مساویانہ سلوک کا قانون ۷ چرچ اور مذہبی عہدوں کو اپنے دائرۂ عمل سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔اس قانون کے تحت، علاوہ دیگر چیزوں کے، سرکاری اور نجی اداروں کو اس امر کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ سماجی سرگرمی کے ایک وسیع دائرے

کے اندر لوگوں میں مذہبی بنیادوں پر کسی قسم کی تفریق کریں۔

کلیسا اور ریاست کے مابین عمومی مالی روابط

ہالینڈ میں ریاست اور کلیسا کے تعلقات کے نظام کے تحت ریاست کو مذہبی سرگرمیوں کے لیے مالی وسائل فراہم کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی لیے کلیسا کے لیے وسائل عموماً اس کے مذہبی پیرو کاروں کی طرف سے ہی فراہم کیے جاتے ہیں۔ تاہم عملی حوالے سے ایسے بہت سے طریقے موجود ہیں جن کے تحت مذہبی سرگرمیوں کے لیے وسائل فراہم کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ امداد یا مالی تعاون کے اصل حجم کا تعین کرنا ممکن نہیں ہے، تاہم ذیل میں دیا گیا تجزیہ اس تعاون کی معاشی اہمیت کو آشکار کرتا ہے۔

کلیسا کی طرف سے منعقد کی جانے والی سماجی سرگرمیاں

کلیسا اور اس سے منسلک تنظیمیں اس طرح کی سرگرمیوں میں بہت عرصہ سے مشغول ہیں جن کا تعلق تعلیم، فلاح و بہبود اور صحت سے ہے۔ انیسویں صدی کے دوران میں ریاست نے بھی ان شعبوں میں باضابطہ طور پر سرگرمیوں کا بتدریج آغاز کر دیا تھا۔ یوں نتیجے کے طور پر ایک طرح سے سرگرمیوں کا ایک متوازی نظام قائم ہو گیا۔ ایک تو وہ نظام جو اکثر اوقات مذہبی فرقہ وارانہ بنیادوں پر نجی حوالے سے خدمات فراہم کر رہا تھا اور دوسری سرکاری سطح پر، غیر جانبدارانہ، غیر مذہبی بنیادوں پر اور یہ طریقہ عمل ابھی تک جاری ہے اگرچہ ریاست کی طرف سے ان شعبوں میں بڑھتے ہوئے انتظامی و مالی قواعد و ضوابط کا رخ نجی تنظیموں کی طرف بھی ہو گیا ہے۔ چنانچہ اب یہ سرگرمیاں ایک ہی طرح کے قوانین اور ایک ہی طرح کے مالیاتی نظام کے تحت سرانجام دی جاتی ہیں، جو کہ اکثر اوقات خاطر خواہ پیچیدگی کا حامل ہوتا ہے۔

سماجی میدان میں ایک نئی پیش رفت کا تعلق بہت سی اہلیتوں اور ذمہ داریوں کو علاقائی اور مرکزی حکومتوں سے مقامی حکومتوں کو منتقل کرنے سے ہے۔ علاوہ دیگر چیزوں کے ان ذمہ داریوں

میں وہ سماجی امداد بھی آجاتی ہے جو ان لوگوں کے لیے فراہم کی جاتی ہے جو گھر کے اندر اور باہر عمومی سرگرمیوں میں شرکت کرنے کے حوالے سے خصوصی امداد کے محتاج ہوتے ہیں۔ ۲۰۱۵ء میں آنے والی یہ تبدیلی بجٹ میں اچھی خاصی کمی کے ساتھ ہی وقوع پذیر ہوئی تھی۔ اس لیے توقع کی جا رہی ہے کہ اس کے نتیجے میں مذہبی تنظیموں کی سماجی حوالے سے پیش رفت میں اچھا خاصا اضافہ ہو جائے گا اور مذہبی اداروں اور مقامی حکومت کے درمیان تعاون بھی بڑھ جائے گا۔

تعلیم

جہاں تک تعلیمی شعبے کا تعلق ہے، آئین میں اس دوہرے نظام (سرکاری و نجی) کے حوالے سے نمایاں خصوصیات کا تعین کر دیا گیا ہے۔ تعلیم کی آزادی کے حق کے تحت عقیدے پر مبنی نجی تعلیمی اداروں کو سرکاری اداروں کے ساتھ ساتھ کام کرنے کی اجازت حاصل ہے۔ تعلیم کی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ اسکول قائم کرنے کی، اسکول کا انتظام چلانے کی، اور اس کے ساتھ ہی اسکول کی فرقہ وارانہ شناخت کے تعین اور اس کے مطابق تعلیم دینے کی آزادی آئین کے مطابق عقیدے پر مبنی ابتدائی اسکولوں کو سرکاری اسکولوں کے ساتھ یکساں بنیادوں یا معیار کے مطابق مالی وسائل فراہم کیے جائیں گے۔ تاہم ثانوی اور اعلیٰ تعلیمی اداروں بشمول یونیورسٹیوں کے لیے اس نظام کو عام قانون سازی کے تحت ہی نافذ کیا جائے گا۔ اس وقت اسلامی اسکولوں کو بھی اسی نظام کے تحت قائم کیا جاتا ہے اور مالی وسائل فراہم کیے جاتے ہیں۔ ابتدائی اور ثانوی دونوں سطحوں پر ہالینڈ میں عقیدے پر مبنی اسکولوں کو خاصی مقبولیت حاصل ہے، تقریباً دو تہائی اسکول ایسے ہیں جو عقیدے کی بنیاد پر قائم کیے گئے ہیں۔

عقیدے پر مبنی اسکولوں کے حکام ہی اسکول کی فرقہ وارانہ خصوصیت یا عقیدے کی نوعیت کا تعین کرتے ہیں۔ اس میں سخت گیر سے لے کر خاطر خواہ آزاد خیال نظریات کے اسکول آجاتے ہیں۔ عمومی حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسکول کی انتظامیہ اس امر کا تعین بھی کر سکتی ہے کہ آیا طالب علموں کے لیے عام داخلے کی پالیسی ہونی چاہیے، جبکہ عملے کے لیے کسی مخصوص فرقے سے وابستگی ضروری ہو

یا عملے اور طالب علم دونوں ہی کا تعلق کسی مخصوص فرقے سے ہونا چاہیے۔ تاہم اس امر کا تعین کرتے ہوئے انہیں قانون کی اور خاص طور پر مساویانہ برتاؤ کے قانون کی حدون میں رہنا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ، کم از کم وہ سب کچھ اپنی مرضی سے نہیں کر سکتے بلکہ اپنی پالیسیوں کو ایک تسلسل کے ساتھ چند حدود کے اندر رہ کر تشکیل دینا ہوگا۔

سرکاری اسکولوں میں مذہب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مگر ایسا ایک غیر جانبدار اور فرقہ وارانہ نظریات سے بالاتر انداز میں کیا جاتا ہے، اور اسکول کی انتظامیہ مذہبی عقائد کے حوالے سے کسی طرح کی مداخلت نہیں کرتی۔ چنانچہ اسے زیادہ درست طور پر مذہبوں کی تدریس کہنا مناسب رہے گا۔ سرکاری ابتدائی اسکول مذہبی تعلیم کو عقیدے کی بنیاد پر عمومی نصاب سے ہٹ کر ایک اختیاری مضمون کے طور پر بھی پیش کر سکتے ہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ تعلیم سرکاری وسائل سے فراہم کی جائے گی۔ اسی طرح کے اصولوں کا اطلاق انسانی علوم کی غیر مذہبی تعلیم پر بھی ہوتا ہے۔[۶]

نوجوانوں کے لیے مذہبی آزادی کے حوالے سے تبصرہ کرنے کے لیے تعلیمی تناظر ایک انتہائی نمایاں مقام رکھتا ہے۔ ان بچوں کے لیے جو کہ کسی چرچ یا مذہبی تنظیم کی طرف سے پیش کردہ کسی مذہبی نصاب کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہوں نہ تو عمر کی کوئی زیادہ یا کم سے کم حد ہے، نہ ہی وقت کی۔ درحقیقت یہ کافی حد تک عام ہے۔ عیسائی کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کلیسا دونوں کی طرف سے فراہم کردہ سہولیات کے تحت والدین اپنے بچوں کو ''بچوں کے کلیسا'' یا ''سنڈے اسکول'' میں شرکت کے لیے ساتھ لے جاتے ہیں جو کہ اکثر و بیشتر ان کے والدین کی عبادت کے ساتھ ہی فراہم کردی جاتی ہیں۔ درمیانی عمر کے پروٹسٹنٹ بچے اکثر و بیشتر مذہبی عقائد و رسوم کے خلاصے پر مبنی تعلیم (catechism) کی کلاسز میں بھی شرکت کرتے ہیں۔

مذہبی خدمات

مسلح افواج اور کفارے کی سہولیات فراہم کرنے والے (penitentiary) محکموں کی

طرح کے سرکاری اداروں میں مذہبی خدمات کی سہولتیں دستیاب ہوتی ہیں، جن کے لیے مالی وسائل ریاست کی طرف سے فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس روایت کے لیے جواز کے پس پردہ متعلقہ فرد کی مذہبی آزادی کا حق کارفرما نظر آتا ہے: چونکہ ان اداروں میں کام کرنے والے لوگوں کو غیر معمولی حالات کا سامنا رہتا ہے اس لیے وہ معمول کی مذہبی سرگرمیوں میں شرکت نہیں کر سکتے، اس لیے ایسی صورتِ حال میں ریاست کو اپنی ذمہ داری پوری کرنی پڑتی ہے۔ پادریوں کی تعیناتی بالترتیب وزارت دفاع اور انصاف کی طرف سے کی جاتی ہے۔ ۷ متعلقہ مذہبی فرقہ ہی مذہبی پیشوا کی تعیناتی کے حوالے سے تجویز پیش کرتا ہے۔ عیسائی عقیدے کے علاوہ اس مقصد کے لیے دوسرے عقائد یا مذاہب کو بھی تسلیم کیا جاتا اور نمائندگی دی جاتی ہے۔ تاہم اگر کسی بھی مخصوص فرقے / عقیدے کے پیروکاروں کی تعداد مسلسل اتنی کم رہے کہ اس کے مذہبی نمائندے کی تعیناتی کی واضح ضرورت محسوس نہ ہو تو پھر، جیسا کہ ابتدا میں اسلامی عقائد کے حامل لوگوں کی صورتِ حال تھی، متعلقہ سہولت کی فراہمی کے لیے مذہبی رہنما کا تعین عارضی (Contractual) بنیادوں پر کر دیا جاتا ہے۔

چونکہ ہسپتالوں کا انتظام و انصرام اور ان کے لیے مالی وسائل کی فراہمی کا طریقہ کار مختلف ہوتا ہے اس لیے یہاں پر مذہبی رہنماؤں کی سہولت کا انتظام بھی ذرا مختلف ہوتا ہے۔ ہسپتالوں کے انتظامی بورڈ مذہبی رہنماؤں کی خدمات عارضی معاہدوں کے تحت حاصل کرتے ہیں۔ ان کے لیے وسائل ہسپتالوں کے لیے دستیاب عمومی مالی وسائل سے فراہم کیے جاتے ہیں۔

مذہبی عمارات

عام طور پر عمارت کی تعمیر کے اخراجات خود کلیسا کے اپنے مالی وسائل سے پورے کیے جاتے ہیں۔ بہت سی مذہبی عمارتیں خاص طور پر عیسائی چرچ کی عمارات یادگاری طرز یا نمونے کی حامل ہوتی ہیں۔ اس طرح کی عمارات کو روایتی طور پر دیکھ بھال اور بحالی کے لیے سرکاری وسائل کے حصول کا اہل قرار دیا جاتا ہے۔ اہلِ مذہب کے لیے اپنی عمارات کی دیکھ بھال و بحالی کے لیے درکار ضروری

وسائل کا حصول روز بروز مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ اس حوالے سے مالیاتی امور میں بعض مخصوص انتظامات کئے گئے ہیں، ان کا مقصد یہ ہے کہ مذہبی عمارات کے منتظمین پر کسی طرح کے اضافی یا ناروا بوجھ کو ہلکا کرنے میں مدد دی جائے۔

محصول کی سہولتیں

مذہب کے حوالے سے سرکاری تعاون کی حتمی شکل یا درجہ محصولات میں رعایت دینے کا ہے۔ اس شعبے میں طریق کار کی بہت سی صورتیں موجود ہیں۔ استثنیٰ یا محصول کی کم شرح کا اطلاق وراثتی محصول کے حوالے سے اور کلیسا کو دیے جانے والے انفرادی و اجتماعی عطیات پر ہوتا ہے۔ یوں ریاست کلیسا کے لیے اور زیادہ عمومی حوالے سے مذہبی اغراض و مقاصد کے لیے نجی مالی عطیات کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

ہالینڈ میں مذہبی اقلیتیں اور اسلام

اقلیتی کلیساؤں اور مذاہب کی قانونی حیثیت

اگرچہ کلیسا ایک قانونی حیثیت کا حامل ادارہ تصور کیا جاتا ہے تاہم آئینی یا قانونی حوالوں میں اس کی کوئی واضح تعریف نہیں ہے۔ اسی طرح سے ایک مذہبی اقلیت کی بھی کسی قانونی متن میں کوئی تعریف موجود نہیں ہے۔ چنانچہ کسی مذہبی تنظیم کو بھی مذہبی اقلیت ''تسلیم'' نہیں کیا جا سکتا کیونکہ عمومی طور پر مذاہب کو بھی تسلیم نہیں کیا جاتا۔ ۸ ''اقلیتی'' فرقوں کے ارکان کو بھی ہالینڈ کے دیگر شہریوں کی طرح مساوی مذہبی آزادی حاصل ہے اور اسی طرح سے مذہبی تنظیموں کو بھی۔ یہ خود کو ''کلیسا'' کی صورت میں منظّم کر سکتے ہیں اور کسی اور صورت میں بھی، مثلاً، کسی انجمن یا مستقل ادارے (foundation) کی صورت میں۔ چرچ کو ایک قانونی ادارے کے طور پر قائم کرنے کے لیے کسی طرح کی خصوصی شرائط درکار نہیں ہوتیں۔ اس لیے مذہبی اکثریتوں اور اقلیتوں دونوں کو قانونی اداروں کے طور پر برابر

کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

چونکہ مذہب اور چرچ کی کسی طرح کی کوئی قانونی تعریف موجود نہیں ہے اس لیے ''فرقے'' کے لیے بھی کوئی قانونی اصطلاح دستیاب نہیں ہے۔ اگرچہ اس لفظ یا اصطلاح کو عوامی جلسے یا تقریر میں استعمال کیا جا سکتا ہے مگر قانون کے حوالے سے اس کا کوئی بھی مفہوم نہیں بنتا۔ اس نکتے کو عیاں کرنے کے بعد، ہم اب آپ کی توجہ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں ''نئی مذہبی تحریکوں'' میں کچھ عرصہ کے لیے بڑھتی ہوئی دلچسپی کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں۔

یہ دلچسپی مختلف النوع مذہبی تحریکوں، مثال کے طور پر ''ہرے کرشنا'' کے حوالے سے تھی۔ ان تحریکوں کے تحت انفرادی پیروکاروں پر، سماجی اور مالی دونوں پہلوؤں سے، جو تقاضے مسلط کیے گئے تھے انہیں کافی حد تک شک و شبہ کی نظر سے دیکھا گیا۔ دیگر مسائل مثلاً، نفسیاتی اور جذباتی ترغیب اور یہ سوال کہ آیا پیروکاروں کو اس امر کی حقیقی معنوں میں آزادی حاصل تھی کہ وہ جب چاہیں اس تحریک میں شامل ہوسکیں یا اسے ترک کر سکیں، عوامی مباحثوں کا موضوع تھے۔ آخر یہ نتیجہ نکالا گیا کہ اس حوالے سے کوئی مخصوص ضوابط درکار نہیں تھے۔ پیچیدہ مسائل یا معاملات کے حل کے لیے، اگر کبھی درپیش آئیں تو، عمومی قانون ہی کافی تھا۔ پارلیمان کی درخواست پر وزیر انصاف کے احکامات کے تحت تیار کی گئی تحقیقی رپورٹ کی بنیاد پر جو کہ ۲۰۱۴ء میں شائع کی گئی تھی، حکومت نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں طے شدہ حکمت عملی ابھی بھی قابلِ عمل تھی۔

اقلیتی مذاہب اور بنیادی قانونی ڈھانچہ

قانون کے دائرہ عمل کے اندر اقلیتی مذاہب کو بھی دیگر اہم مذاہب کے مساوی مقام اور آزادی حاصل ہے۔ مالیاتی سہولتوں کے حوالے سے بھی یہی صورتحال ہے۔ اقلیتی مذاہب کی مالیاتی ضروریات کی ریاست کی نظر میں اتنی ہی اہمیت ہے جتنی کہ اکثریتی مذاہب کی، جیسا کہ گزشتہ حصے میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اقلیتوں کو کم تعداد کے باعث بعض اوقات مخصوص مسائل کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔

اقلیتیں اپنے عقیدے پر مبنی اسکولز اور مذہبی عملے کے لیے گھر تعمیر کر سکتی ہیں، وہ قومی نشریاتی رابطوں کے اداروں کی خدمات سے بھی اس قدر استفادہ کر سکتی ہیں جس قدر کہ دوسری تنظیمیں، بشرطیکہ وہ طے کردہ معیار پر اسی طرح پوری اترتی ہوں۔ تاہم اگر کوئی اقلیتی طبقہ ملک کے کسی مخصوص علاقے میں مرتکز نہیں ہے بلکہ ملک بھر میں پھیلا ہوا ہے تو اس کے لیے، عملی طور پر، ایک اسکول قائم کرنا زیادہ مشکل ہوگا۔ مزید برآں بنیادی ڈھانچے پر مبنی نظم و نسق میں شرکت یا اس کے قیام کے لیے ایک ٹھوس انتظامی صلاحیت کے ساتھ ساتھ پائیداری اور قابل عمل ہونے کے امکان کی بھی ضرورت ہے۔

اقلیتی مذاہب کی مخصوص ضروریات

اقلیتی مذاہب کو قانون کے تحت ایک سے زیادہ مواقع پر خصوصی رعایت دی جاتی ہے۔ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگرچہ فی الحال جبری بھرتی کا کوئی نظام موجود نہیں ہے، تاہم فوجی بھرتی کے خلاف ضمیر کی بنیاد پر استثنا عطا کیا جاتا ہے، اسی طرح ایسے مخصوص پروٹسٹنٹ عقائد کے پیروکاروں کے لیے بھی استثنا موجود ہے جو انشورنس کے خلاف اپنے ضمیر کے حوالے سے اعتراض کرتے ہیں۔ جو لوگ یہودی عقیدہ رکھتے ہیں ان کے لیے رسمی طریقے سے ذبح کرنے کے، غذائی احتیاط کے قواعد و ضوابط، مذہبی تعطیلات وغیرہ کے حوالے سے روایتی طور پر انتظامات کو یقینی بنایا گیا ہے۔ اقلیتی مذاہب کو معاشرے میں اہم مقام دینے کی اس روایت کو، سماجی حوالے سے اور قانون کے دائرے میں بھی، اسلامی عقائد رکھنے والوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے آسانی سے توسیع دی جاسکتی تھی۔ مثال کے طور پر ذبح کرنے کی رسم، غذائی احتیاط کے قواعد ضوابط، دفن کرنے کے رسوم و رواج اور مذہبی تعطیلات۔

اسلام

اوپر اقلیتوں کے حوالے سے جن عمومی نکات کا ذکر کیا گیا ہے ان کا اطلاق ہالینڈ میں اسلام کی حیثیت سے یا مقام پر بھی ہوتا ہے۔ کسی بھی دیگر عقیدے کے پیروکاروں کی طرح، انفرادی اور اجتماعی

دونوں سطحوں پر مسلمانوں کو شروع سے مذہبی آزادی حاصل رہی ہے۔ تاہم مذہب اور ریاست کے تعلقات کی تشکیل و تنظیم کے باوجود عیسائی عقیدہ انتہائی گہرے اثرات کا حامل رہا ہے۔ تاہم وقت کے ساتھ ساتھ ولندیزی قانون کی اقلیتی مذاہب کے ساتھ ہم آہنگی پیدا ہوگئی ہے۔ خاص طور پر یہودی مذہب کے ساتھ، مذہبی تعطیلات منانے، آرام کے ایام، اور ان کے علاوہ اداروں میں غذائی قواعد و ضوابط اور رسمی طریقے سے ذبح کرنے کے لیے مختلف قسم کی متبادل سہولتوں کی پیشکش کرنے کے حوالے سے (تاہم یہ نکتہ ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ رسمی طریقے سے ذبح کرنے کے عمل کے حوالے سے صورتِ حال گزشتہ چند برسوں سے متنازعہ ہوتی جا رہی ہے۔)

مذہب و ریاست کے روابط کے نظام اور محرکات کو درپیش سوالات

مذہب و ریاست تعلقات کا ڈھانچہ یعنی دونوں کے علیحدہ علیحدہ کردار کا نمونہ ہالینڈ میں وسیع تر قبولیت کا حامل ہے۔ ۱۷۹۴ء سے اب تک اس حوالے سے معاشرے میں اور مذہب کے دائرے میں بھی اہم تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔

فی الحال عالمگیریت اور بین الاقوامیت کی بڑھتی ہوئی لہر کے نتیجے میں ریاست کی حیثیت اور مقام کے حوالے سے اہم تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں اور اس کے ساتھ ہی ریاست بھی عدم ارتکاز، نجکاری اور سماجی شعبے سے کچھ حد تک دستبرداری جیسی پالیسیوں کے توسط سے معاشرے کے ساتھ ربط باہمی کو نیا انداز عطا کر رہی ہے۔

یہ تبدیلیاں مذہب و ریاست تعلقات پر بھی اپنے اثرات مرتب کریں گی۔ مزید برآں معاشرہ خود بھی تبدیلی کے عمل سے گزر رہا ہے۔ اگر ہم خود کو محض مذہب کے شعبے تک محدود کر لیں تو بیسیویں صدی کے دوران مذہب کو الگ تھلگ کر کے اسے محض فرد کے نجی نظریے تک محدود کر دینے کے عمل (secularization) کے غالب رجحان کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ اس وقت معاشرے میں مذہب کی بڑھتی ہوئی موجودگی کا عمومی احساس اور خاص طور پر اسلام کی موجودگی اس صورتِ حال کا اضافی

پہلو ہے۔

روایتی طور پر ریاست کا کردار مذہب کے حوالے سے ایک فراخدلانہ اور دوستانہ طرز کا عکاس رہا ہے۔ تاہم حالیہ برسوں میں عوامی، سیاسی اور علمی حلقوں میں مذہب کے حوالے سے مباحثہ ایک تیکھا انداز اختیار کرتا جا رہا ہے اور عوامی حلقوں میں مذہب کے حوالے سے اٹھنے والے سوالات بھی اب زیادہ متنازعہ رخ کے حامل ہو چکے ہیں۔ اس نئے تحریکی عمل (dynamic) کے تین عناصر کا ذکر کرنا بھی بہت ضروری ہے۔

اوّل یہ کہ ابھی حالیہ زمانے تک چرچ اور ریاست کے تعلقات عمومی طور پر پرسکون تصور کیے جا رہے تھے۔ فلاحی ریاست اپنے نکتۂ عروج پر تھی، مذہب کے ''نجی معاملہ بن کر رہ جانے'' کا مفروضہ غالب تصور نظر آتا تھا، اور اس سے بھی بہت اہم یہ کہ عیسائی عقیدہ رکھنے والوں کی اقدار معاشرہ کی غالب اقدار کے ساتھ عمومی طور پر موافقت کی حامل نظر آتی تھیں۔ مگر اب یہ مفروضے کسی طرح بھی درستگی یا صحت کے حامل نظر نہیں آتے۔ مذہب کی تیزی سے محسوس ہوتی ہوئی موجودگی، عیسائیت اور اسلام دونوں دائروں کے اندر، اس حقیقت کو ایک مرتبہ پھر واضح کرتی نظر آ رہی ہے کہ لوگ مذہب سے تحریک حاصل کرتے ہیں اور یہ کہ مذہبی نظریات اہمیت رکھتے ہیں۔ اس صورتِ حال کے باعث مذہب کی ''اقدار'' کا پہلو نئے سرے سے توجہ کا مرکز بنتا جا رہا ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں جبکہ یہ اقدار ولندیزی معاشرے کی غالب اقدار کے ساتھ آسانی سے ہم آہنگ یا مدغم نہیں ہوتیں، مذہبی ''اقدار'' مباحثے کا اہم موضوع بن چکی ہیں۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، مسلمانوں کے عقیدے کے ساتھ عمومی ناواقفیت اور اس کے ساتھ ہی مختلف عقائد کے وقوع میں آنے کے سماجی عوامل یا پہلو اس مباحثے کو اور بھی پیچیدہ بنا رہی ہیں۔

دوسرے اہم عنصر کا تعلق تنوع (pluralism) اور سماجی اتصال سے ہے۔ گزشتہ چند برسوں کے دوران میں اس عمومی آگاہی میں اضافہ ہو گیا ہے کہ ایک رنگارنگ یا تنوع کے حامل معاشرے کو

باہم مربوط ساختیں اور توانائیاں بھی درکار ہوتی ہیں اور یہ کہ سالمیت کے عنصر کو استحکام عطا کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس صورتحال کے پیشِ نظر سرکاری سطح پر پالیسیوں کا جھکاؤ مضبوط تر ربط باہمی کی طرف ہوگیا ہے۔ اس کا مطلب نقل مکانی کرنے والوں کے لیے یہ ہے کہ انضمام کی پالیسیوں میں شدت پیدا ہورہی ہے۔ بعض شعبوں میں یہ پالیسیاں خاطر خواہ حد تک بے لاگ ہیں، جہاں مثال کے طور پر زبان وغیرہ کا معاملہ آجاتا ہے۔ دوسرے عوامل مزید مباحثے کا باعث بن رہے ہیں۔ ہم نے فرقوں کی طرز پر منظّم معاشرے اور اس کے ساتھ ہی سرکاری اسکولوں اور نجی (عقیدے پر مبنی) اسکولوں کے متوازی سلسلے کی موجودگی کا پہلے ہی ذکر کردیا ہے۔ یہ امر مطلق طور پر واضح ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی اسکول کھولنے کا حق حاصل ہے اور درحقیقت درجنوں کے حساب سے اسلامی ابتدائی اسکول موجود بھی ہیں۔ تاہم یہ نکتہ ابھی قابلِ بحث ہے کہ آیا اس طرح کے اسکول معاشرے میں انضمام کا وسیلہ ہیں یا اس عمل کی راہ میں رکاوٹ۔ فکر کا محور ایک اور موضوع، جو گزشتہ چند برسوں سے منظر عام پر آرہا ہے، وہ انتہا پسندی کی روک تھام کا مسئلہ ہے۔ مذہب کے تناظر میں اس کا کیا مفہوم ہے؟ بہرحال جو بھی صورت ہو یہ امر روز روشن کی طرح عیاں نظر آتا ہے کہ مرکزی اور مقامی دونوں سطحوں پر سرکاری حکام اسلامی عقیدہ رکھنے والوں کی نمائندہ تنظیموں کو فروغ دینے کی تحریک پیدا کرنے کے لیے کام کررہے ہیں تاکہ باہمی تشویش پر مبنی مسائل کے حل کے لیے وہ ان کے ساتھ مباحثوں میں شریک ہوسکیں۔ ماضی قریب میں جہادی نظریات اور مذہبی بنیاد پر دہشت گردی کی روک تھام کا مسئلہ ایسی تشویش کا حامل ہو چکا ہے کہ جس کے لیے حکمت عملیاں وضع کی جارہی ہیں۔

تیسری پیش رفت کا تعلق عمومی حوالے سے بنیادی حقوق اور خاص طور پر مذہبی آزادی کے عمل کے جاری رہنے سے ہے۔ ابھی کچھ عرصہ قبل تک بنیادی حقوق کا دائرہ ہر ممکن حد تک وسیع کرنے کی کوششوں پر خصوصی توجہ دی جاتی رہی ہے۔ ۱۹۸۳ء میں آئین پر ایک عمومی نظر ثانی اس کوشش یا فکر کا واضح اظہار تھی۔ حال ہی میں حدود و قیود کے حوالے سے بنیادی حقوق کے موضوع پر اچھا خاصا عمومی مباحثہ ہوتا رہا ہے۔ یہی صورتِ حال نجی حقوق اور اظہار رائے کے حقوق اور مذہب پر بھی

صادق آتی ہے۔

یہ تین متحرک عوامل مذہب، سرکاری حکمت عملی اور قانون کے شعبوں میں ایک بالکل ہی نئے تحریکی عمل کی تشکیل کرتے ہیں۔ آنے والے برسوں میں اس انتہائی اہم اور دلچسپی کے حامل مباحثے کو اور بھی زیادہ فروغ حاصل ہوگا۔

ترجمہ: اعزاز باقر

...........حواشی...........

۱۔ ان اعداد و شمار کے لیے دیکھیے:

SCP (Joep de Hart), *Geloven Binnen en Buiten Verband, Godsdienstige Ontwikkelingen in Nederland* (Den Haag: SCP 2014).

۲۔ پارلیمان کے وضع کردہ قوانین پر بین الاقوامی معاہدات اور بین الاقوامی اداروں کے از خود نافذ العمل دفعات سے موافقت کے لیے نظر ثانی کی جا سکتی ہے (دستور کی دفعہ ۹۴)۔ بنیادی حقوق کے حوالے سے اس کی اہمیت بالخصوص ہے۔

۳۔ بالخصوص دیکھیے:

ARRvS 18 December 1986, AB 187, 260 (Jeugdcentrale Hellevoetsluis).

4. CIO (Interchurch Contact in Government Affairs), www.cioweb.nl, last conculted on May 20, 2015.

5. CMO (Contact Organization Government), www.cmoweb.nl, last consulted on May 20, 2015.

6. www.gvoenhvo.nl, last consulted on May 20, 2015.

۷۔ قید خانوں میں مذہبی خدمات کے لیے دیکھیے:

https://www.dji.nl/Organisatie/Locaties/Landelijke-diensten/Dienst-Geestelijke-erzorging/;

مسلح افواج کے لیے دیکھیے:

http://www.defensie.nl/onderwerpen/personeelszorg/inhoud/geestelijike-verzorging, both last consulted on May 20, 2015.

۸۔ تاہم رجسٹریشن کے لیے مختلف طریقہ کار موجود ہیں، جیسا کہ محصولات اور مسلح افواج اور قید خانوں میں مذہبی خدمات کے حوالے سے ان کا ذکر بھی ہوا۔